# قرۃ العین حیدر کی شخصیت اور نفسیات ان کے سوانحی ناول "کار جہاں دراز ہے" کے تناظر میں(تحقیقی ، تنقیدی اور نفسیاتی مطالعہ )

حمیرا[1]م پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی **

**Abstract:**

"This study focuses on Quratulain hyder's autobiographical novel "Kar-e-Jaha Daraz hy", last voluminous work of her controversial creative journey. This research shall study her personality in the light of Jung's psychoanalytical theory of personality to bring out why she was misinterpreted by the mass readers rendering her a controversial writer. In this context, autobiographical elements of the novel shall be signified to highlight their importance in shaping her characterization in this novel. Particularly focusing in her personal experiences with her family, her background, her brought up and social experiences."

قرۃ العین حیدر کی شخصیت اور نفسیات کو (Analytical theory of personality) کے تناظر میں سمجھنے کے لیے اس سوانحی ناول کا کردار بے حد اہم ہے کیونکہ اس کتاب میں وہ اپنے پورے خاندانی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے اپنے والدین' بہن بھائیوں اور اپنی شخصیت کے بہت سے چھپے ہوئے پہلوؤں کے بارے میں کہتی ہیں۔

بقول قرۃ العین حیدر:

''مجھے اپنا احوال رقم کرنے سے پہلے سارے گھرانے کا احوال رقم کرنا پڑے گا کیونکہ میں ان سے علاوہ کوئی انوکھی ہستی قطعی نہیں ہوں۔''(1)

اس سوانحی ناول میں مصنفہ اپنے اباؤ اجداد، اپنے شجرہ نسب سے آغاز کرتے ہوئے اپنے بہن بھائیوں، اپنے خاندان کے پاکستان ہجرت اور ہجرت کے بعد کے واقعات کو خاصے تفصیل سے بیان کرتی ہیں لیکن بہت خوبصورتی سے اپنی شخصیت کو اپنے پرسونا (Persona)میں لپیٹ کر پیش کرتی ہیں۔ اپنے خاندانی وجاہت اور وقار پر انہیں فخر ہیں اور اس بات کا اندازہ اس کتاب کے انتساب ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

''دوش و امروز کا یہ افسانہ اپنے بھائی سید مصطفی حیدر کی ہونہار اولاد نور العین' شہناز ' ناہید، جلال حیدر( تین بہنیں ایک بھائی جنہوں نے سی' ایس پی کے مقابلوں میں کامیاب ہو کر نیا ریکارڈ قائم کیا) اور ان سے چھوٹے عدنان، منصور اور سجاد حیدر کے نام معنون کرتی ہوں۔ اکیسویں صدی زیادہ دور نہیں۔ یہ بچیاں اور بچے آزادی کے بعد پیدا ہونیوالی اس نسل میں شامل ہیں جو کار جہاں سنبھال چکی ہے یا سنبھالنے والی ہے۔ ہم لوگوں نے اور ہم سے پہلے والوں نے دنیا کو اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے اور اپنی نظروں سے دیکھا تھا۔ یہ نئے لوگ اکیسویں صدی میں پہنچ کر تاریخی عوامل کو شاید ہم سے بہتر طور پر سمجھ سکیں۔''(2)

''کار جہاں دراز ہے'' کی پہلی جلد جو ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی بارہویں صدی عیسوی سے لیکر ۱۹۴۷ء تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ مصنفہ ناول کے اس پہلے جلد میں ہندوستان میں مسلمانوں

---

[1] پی ایچ۔ڈی اُردواسکالر ، پشاور یونیورسٹی، پشاور
** صدرِ شعبہ اُردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور

کے آمد کے بعد کی نو سو (۹۰۰)سالہ تاریخ کو بیان کرتی ہیں۔ وہ اپنے خاندان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک وسیع تناظر میں برعظم کی سیاسی ومعاشرتی اور تہذیبی تاریخ کے بارے میں تفصیل سے لکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ناول کے اس پہلی جلد میں سجاد حیدر اور نذر سجاد کے سوانح عمری ومصنفہ کے خاندان کے دیگر بزرگوں' دوستوں خاص طور پر ادبی وسیاسی حوالے سے اہم شخصیات کا تذکرہ شامل ہے۔ اس سوانحی تصنیف کو ناول کے زمرے میں شامل بھی اسی وجہ سے کیاگیا ہے کہ یہ تخلیق سوانحی اور اس کے کردار وواقعات حقیقی ہونے کے باوجود پیشکش کے لحاظ سے افسانوی ہے۔

پہلی جلد کے آخری صفحات میں سجاد حیدر یلدرم کی وفات اور۱۹۴۳ء کے بعد کے واقعات شامل ہیں۔ یوں ناول کی یہ پہلی جلد تقسیم ہند کے تناظر میں ہونیوالے فسادات اور پسماندگان کی پاکستان کی طرف ہجرت پر ختم ہوتا ہے۔

''کارجہاں دراز ہے'' ۱۹۷۹ء میں شائع ہونیوالی دوسری جلد ۱۹۴۷ء کے بعد سے لیکر ۱۹۷۶ء کے حالات و واقعات پر مبنی ہے۔ اس جلد میں مصنفہ اپنے حالات زندگی کے بارے میں بتاتے ہوئے ہجرت کے کربناک المیے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ وہ لاکھوں لوگوں کو بے گھر ہوتا دیکھ کر روحانی دکھ میں مبتلا ہوتی ہیں۔ مصنفہ کی زندگی کو جن واقعات یا حالات نے یکسر تبدیل کیا وہ بقول ان کے ان کی والد سجاد حیدر یلدرم کی وفات اور اس کے بعد ہندوستان کا بٹوارہ ہے۔ قرۃ العین حیدر کے زندگی کے یہ دو بڑے حادثات اُن کو لاشعوری طور پر عدم تحفظ کے احساس سے دو چار کرتی ہے جو دراصل اجتماعی لاشعور میں موجود خوف کے (Archytype) کا مظہر ہے۔

اس دوسری جلد میں قرۃ العین حیدر نے اپنے ذاتی حالات کے علاوہ علمی و ادبی حوالے سے ہم عصر اہم شخصیات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مصنفہ کی اقبال شناسی کا اندازہ بھی ہمیں اس دوسری جلد میں بیان واقعات سے ہوتا ہے۔ مثلاً وہ کہتی ہیں:

> ''نجانے کیوں، گو اس وقت تک اقبال کو سمجھنے کی عقل بھی نہیں آئی تھی، جون ۴۳ء میں نمبر ۲۱ فیض آباد روڈ سے منتقل ہونے سے چند روز قبل میں سامنے کے برآمدے میں متواتر گاتی پھر رہی تھی۔
>
> تیرے بھی صنم خانے، میرے بھی صنم خانے
> دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
>
> جو ابا جاں اکثر گنگنایا کرتے تھے۔ بھائی نے اپنے کمرے سے نکل کر مجھے آہستہ سے منع کیا تھا۔ ''اماں کے پاس تعزیت کے لیے لوگ آئے بیٹھے ہیں اور آپ ہیں کہ گاتی پھر رہی ہیں۔''(3)

مصنفہ کی علامہ اقبال سے لاشعوری انسیت کا عکس اس ناول کے جلد دوم میں جابجا مختلف واقعات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک دفعہ مصنفہ کوئٹہ کی سیر کے لیے گئی ہوتی ہیں اور کوئٹہ کی خوبصورت وادی پر نظر دوڑاتے ہوئے بے اختیار ان کے منہ سے نکلتا ہے

''پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ ودمن''(4)

اسی طرح مصنفہ حق وانصاف کے ایک واقعے کو بیان کرتے ہوئے حرف آخر کے طور پر کہتی ہیں:

''میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند''(5)

دراصل ''کار جہاں دراز ہے'' میں جابجا بکھرے علامہ اقبال کے اشعار اور اشعار کے مصرعے، خود ناول کا عنوان مصنفہ کی علامہ اقبال سے والہانہ عقیدت کا مظہر ہے۔ مذکورہ ناول کے جلد دوم میں مصنفہ اپنے خاندان کے افراد اور دیگر کرداروں کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے بارے میں بھی بہت سی باتوں کا انکشاف کرتی ہیں۔

> ''تم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہو جو چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے۔ ہمیشہ خوش باش پُرآسائش زندگی گزاری، خود ہر وقت ہنستی، قہقہے لگاتی رہتی ہو۔ تم ایک غیر معمولی طور پر ایک Cheerful انسان ہو مگر جو کچھ لکھتی ہو اُردو اور انگریزی میں

اس میں ایک Romantic Sadness موجود رہتی ہے اور یہ عمر کا تقاضہ ہے۔'' ایک روز ظہور ماموں نے ایک نظم پڑھ کر فیصلہ صادر کیا ۔'' کیا ایک رومینٹک اشتراکی نہیں ہوسکتا؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے''۔ میں دریافت کرتی ہوں۔ ''آپ اشتراکی کسی طرف سے نہیں ہے'' ظہور ماموں نے جواب دیا۔''(6)

مصنفہ کا تخلیقی وتحریری رجحان ابتداء ہی سے مختلف ناقدین کی تنقید کی ضد میں رہا لیکن مصنفہ ان سب باتوں اور اپنے فن پر ہونے والے اعتراضات سے مبرا ہو کر اپنے ڈگر پر چلتی رہیں اور اپنے فن کا لوہا منواتی گئیں۔ چونکہ مصنفہ نے اپنے (Animus) کا مکمل طور پر اظہار کرکے اپنی خود شناسی(Self-realization) اور انفرادیت (Individuation) کو اوائل عمری ہی میں حاصل کیا تھا۔ اس لیے وہ بیرونی دنیا کی تنقید سے بے نیاز تھی۔

۱۹۴۳ء میں والد سجاد حیدر یلدرم اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت نے ان کی شخصیت اور نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ بچپن کی معصومیت، آرام و آسائش اور بے فکری کی دنیا جس میں وہ رہا کرتی تھیں جگنوؤں کی روشنی کی مانند ٹمٹما کر اس طرح غائب ہوگئی تھی جیسے وہ زمانہ کبھی تھا ہی نہیں۔ آرام اور سکون کی زندگی ایک دم مصائب وآلام کی آماجگاہ بنی تو قرۃ العین حیدر کی شخصیت بھی حالات کے سرد وگرم سہتے ہوئے بہت حد تک تبدیلی سے دوچار ہوئی۔ یوں مصنفہ اس نظر سے روشناس ہوئیں جو حقیقت کے کھردرے پن کو اس کے حسن وملائمت سے رنگ کرتی گئی۔ ان کی اس دور کی تحریروں کی پختگی اور تہہ داری ان کی فنی ارتقاء کی دلیل ہے۔

بقول نثار عزیز بٹ:

''قرۃ العین حیدر نے یہ طلسماتی، حسین اور ملائم دنیا اس طرح اپنے ذہن میں قید کر لی تھی کہ آپ ان کی تحریروں میں ہی اس تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔ ان کے ذاتی رویوں اور ذاتی زندگی میں نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک ہندوستانی ادیب نے بڑے نرم لہجے میں مجھ سے کہا ''یہ جیسا لکھتی ہیں ویسی نہیں ہیں''۔ اب یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ جو لکھتے ہیں وہ آپ کی شخصیت کا اہم حصہ نہ ہو۔ اگر وہ آپ کے شخصی رویوں میں نہیں ملتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کہیں بہت اچھی طرح سے روپوش کر دیا گیا ہے۔ یہ روپوشی کیوں اور کیسے عمل میں آئی؟ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ میں اس کھوج میں ہوں اور اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ یہ کام زیادہ آسان نہیں ہے۔''(7)

مذکورہ ناول کے اس جلد دوم میں مصنفہ نے اپنی تصنیفات پر ہونے والے تنقید کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''ستاروں سے آگے'' پر اعجاز نے ''ساقی'' میں جو تبصرہ رقم کیا ہے اس کا مصنفہ نے بہت برا مانا تھا اور ایک تقریب میں اعجاز صاحب نے جب مصنفہ سے اپنی بے جا تنقید کی معافی مانگی تو مصنفہ نے جواب میں کہا تھا۔

''ہم صوفی لوگ ایسی معمولی باتوں پر کسی سے خفا نہیں ہوتے ویسے وہ مضمون بہت غیرمنصفانہ تھا اور تمہیں ضرور چاہئے کہ اس کے لیے نادم ہو۔''(8)

اس کے علاوہ مصنفہ اپنے مشہور کرداروں ''سیتا ہرن'' کی ہیروئن اور ''آگ کا دریا'' کے آخری دور کی چمپا کے بارے میں بتاتی ہیں کہ انہوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی کا مشاہدہ اور نفسیاتی تجزیہ کر کے چمپا کا کردار تراشا اور پیرس میں ایک ہندوستانی لڑکی سے ملاقات ہوئی جس کی پیچیدہ زندگی نے ''سیتا ہرن'' کی ہیروئن کی تخلیق میں اعانت کی۔

ناول کے جلد دوم میں زمانے کی شکست وریخت، سیاسی وتہذیبی تبدیلیوں اور ان کے نتیجے میں مرتب ہونیوالے اثرات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں مصنفہ اپنے خاندان سمیت پاکستان آئیں لیکن اس ہجرت نے ان کے دل و دماغ کو بے حد متاثر کیا اور بارہ (۱۲) سال پاکستا ن میں گزارنے کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ ہندوستان واپسی کی راہ اختیار کی۔ اپنی اس واپسی کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

''دوسرے روز جب میں مولانا کے بالکل سادے سے ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھی وہ فوراً کمرے میں داخل ہوئے۔ آتشدان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مجھے غور سے دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ ' تم سجاد کی لڑکی ہو'' پھر ان کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ چند لمحے خاموش رہے' چائے آئی، چائے پیتے ہوئے دریافت کیا۔ '' پاکستان میں کیا کر رہی ہو''۔ پوچھا ذہنی طور پر خوش ہو؟ یہاں واپس آؤ گی؟'' یہ کیسے ممکن ہے۔ '' تم واپس جا کر مجھے خط لکھو۔ میں جواہر لعل نہرو سے کہوں گا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''بہت مشکل بات معلوم ہوتی ہے۔ ناممکن''۔

بہرحال مولانا آزاد نے فرمایا۔ ''اگر تم چاہو تو مجھے لکھنا، میں پوری کوشش تمہارے لیے کروں گا۔''(9)

یوں۱۹۶۱ء میں قرأۃ العین حیدر واپس ہندوستان کی شہریت حاصل کرکے ہندوستان چلی گئیں۔ مصنفہ کی ہندوستان واپسی کسی نظریاتی اختلاف' نسلی اور قومی تعصب کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ہندوستان سے وابستہ مصنفہ کی یادیں، اس کا ماضی اور ان کے بزرگوں کا وہ اثاثہ تھا جس کو چھوڑ کر انہوں نے پاکستان ہجرت کی تھی، بہت سارے ناقدین نے مصنفہ کی ہندوستان واپسی کو ان کے ۱۹۵۹ء میں شائع ہونیوالے ناول ''آگ کا دریا'' پر مختلف ادبی اور سیاسی حلقوں کی طرف سے کی جانیوالی تنقید کو قرار دیا۔ بقول قرأۃ العین حیدر:

''جب ناول کے متعلق بھانت بھانت کی افواہیں گرم ہوئیں۔ ان میں سے ایک افواہ یہ بھی تھی کہ کتاب کو حکومت نے سنسر کیا ہے۔ سب سے عبرتناک افواہ جو ہندوستان میں پھیلی وہ یہ تھی کہ حکومت پاکستان نے ''آگ کا دریا'' کو BAN کردیا ہے۔ تلمیحات اور علامتوں سے مجموعی بے نیازی کی وجہ سے مختلف رسالوں میں مزید عجیب و غریب تاویلیں کی گئیں۔ مصنفہ نظریہ تناسخ کی قائل ہیں، مصنفہ بدھسٹ ہیں، ہندو ہیں، اسرائیل پرست وغیرہ وغیرہ۔''(10)

اگرچہ قرأۃ العین حیدر پاکستان میں ''آگ کا دریا'' پر ہونیوالے بے جا تنقید سے کافی دلبرداشتہ اور بے حد آذردہ تھیں لیکن ان کے پاکستان چھوڑنے اور ہندوستان کی شہریت اختیار کرنے کی بنیادی وجہ یہ نہیں تھی۔ سعدیہ قریشی اپنے ایک مضمون '' قرأۃ العین حیدر' ایک خوبصورت جواب'' میں لکھتی ہیں:

''سطحی سوچ کے حامل پڑھنے والوں نے اس خیال کو متنازع قرار دیا اور اس حوالے سے انہیں شدید تنقید کا نشانہ بنایا کہ قرأۃ العین حیدر قیام پاکستان کی مخالف تھیں مگر شاید وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایک بڑا اور جینوئن تخلیق کار اپنے زاویہ نگاہ میں بہت مختلف بھی ہوتا ہے اس لیے وہ ایک الگ دنیا میں سانس لیتا ہے۔ اس کے سوچنے کے پیمانے الگ ہوتے ہیں۔ وہ جس طرح چیزوں کو دیکھتا ہے ہوسکتاہے ایک عام انسان اس گہرائی تک نہ پہنچ پائے۔ اس لیے قرأۃ العین حیدر کے بارے میں یہ خیال درست نہیں کہ وہ قیام پاکستان کی مخالف تھیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی پاکستان نہ آتیں۔ وہ تو ہجرت کرکے پاکستان ہی آگئی تھیں مگر پھر ۵۰ سے ۶۰ کی دہائی کے درمیان یہاں مارشل لاء کے قیام نے انہیں بد دل کر دیا سو وہ واپس ہندوستان چلی گئیں۔ بعد ازاں بھی وہ بڑی محبت سے پاکستان آتی رہیں۔''(11)

اس ناول کے مرکزی کرداروں میں سجاد حیدر یلدرم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جو اپنے عہد کے اعلیٰ تعلیم یافتہ' نفیس' رومانیت پسند اور انتہائی باحوصلہ انسان تھے۔ مصنفہ نے اپنے محبوب باپ کی زندگی کے خارجی پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے۔ قرأۃ العین حیدر کے دل میں باپ کی انتہا کو پہنچی ہوئی عقیدت اور محبت ہمیشہ موجود رہی۔ والد اور والدہ کی شخصیات تاحیات ان کے لیے رول ماڈل ہے۔ قرأۃ العین حیدر کے والد سجاد حیدر اور والدہ نذر الباقر کے متعلق شخصی

معلومات ناول کے تینوں جلدوں میں موجودہیں۔ ناول میں بہت سارا مواد خطوط اور ڈائری کے صفحات کی صورت میں پایا جاتا ہے جو واقعات کی نوعیت کو سمجھنے میں کافی مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

اس سوانحی ناول میں قرۃ العین حیدر جس انداز سے اپنے والد سجاد حیدر یلدرم کا تذکرہ کرتی ہے وہ ژونگ کے (Hero archetype) کا عکس نظر آتا ہے کیونکہ مصنفہ کے اجتماعی لاشعور میں ایک نگہبان، محافظ اور محبت کرنے والے شخص کا جو تصور ہے وہ شعوری سطح پر اُسے اپنے والد کی صورت میں آتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ انہیں (Idealise) کرکے ہیرو کے روپ میں پیش کرتی ہے۔

''کار جہاں دراز ہے'' کی تیسری جلد بمعہ جلد اول اور جلد دوم ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ اس آخری جلد میں مصنفہ عہد جدید کے اہم ادبی اور سیاسی لوگوں کے احوال اور کارناموں کو زیربحث لاتی ہیں اگرچہ یہ تذکرے بہت سرسری ہیں۔ اس کے علاوہ تیسری جلد میں مصنفہ بر عظیم کا موازنہ مغرب کیساتھ' مسلم فن وآرٹ کا تقابل دیگر اقوام کے فنون کے ساتھ مشرقی اور خاص کر برصغیر کے دانشوروں کا موازنہ مغربی دانشوروں اور مستشرقین سے کرتی ہیں۔

قرأۃ العین حیدر اپنے بے پناہ مطالعے کی بدولت آگہی کے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ آگہی جو ایک طرف علم و عرفان کے ذریعے شخصیت کو جلا بخشتی ہے تو دوسری طرف یہ ایک طرح کا عذاب بھی ہوتا ہے اور قرأۃ العین حیدر نہایت کمسنی سے یہ عذاب سہتی رہی تھیں۔ ان کی جدید طرز زندگی' اینگلو انڈین سوسائٹی اور جدید دور کے تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے دلدادہ والدین کی سرپرستی نے مصنفہ کی شخصیت کو وہ نکھار بخشا تھا جس کی بدولت وہ کسی احساس برتری یا کمتری سے مبرا ایک متوازن سوچ رکھنے والی اٹیلکچول اور حق پرست بن گئی تھیں۔

ژونگ کے مطابق احساس برتری یا احساس کمتری فرد کے شعور اور لاشعور کو منظم کرنے والی قوت یا توانائی سلیف کو ختم کرتی ہے اور یوں شخصیت عدم توازن اور بگاڑ کا شکار ہوتی ہے۔

یوں تو ''کار جہاں دراز ہے'' کے تمام جلدوں میں مصنفہ کے والد اور والدہ کا ذکر جابجا ملتا ہے لیکن جلد سوم میں خاص طور پر وہ اپنے والدین کی آزاد خیالی اور آزادئ نسواں کے لیے ان کی جدوجہد کو بیان کرتی ہیں، ساتھ میں یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ ان کے والدین اور خود وہ عورتوں کے کس قسم کی آزادی کے لیے نعرہ بلند کر رہے تھے۔ مثلاً مصنفہ اپنی والدہ کے بارے میں بتاتی ہیں:

> ''مصوری میں چند مسلمان لڑکیوں کی حد سے زیادہ آزادی نے ان کو مضطرب کر رکھا تھا کیونکہ ان کی ساری عمر آزادئ نسواں کی تحریک چلانے میں گزری تھی لیکن لوگ اعتدال کا راستہ کیوں چھوڑ دیتے ہیں یہ بات ان کی سمجھ میں بھی نہیں آئی کیونکہ انہوں نے آزاد وخودمختار زندگی گزاری تھی لیکن اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑا تھا۔''(12)

والدہ کی شخصیت کا یہی عکس ہمیں قرأۃ العین حیدر کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ اپنے زمانے کی خوبصورت حسیناؤں میں شمار ہونے کے باوجود قرأۃ العین حیدر نے بہت محتاط اور اپنے اقدار وروایات کی پاسداری کرتے ہوئے زندگی گزاری۔ والدین سے حد درجہ انسیت اور محبت وعقیدت ہمیشہ ان کے دل میں جوان رہی۔ والد سجاد حیدر یلدرم کے حقوق نسواں کے لیے خدمات پر ان کی ناقدری کا گلہ وہ ''کار جہاں دراز ہے'' میں کرتی ہیں اور بہت مایوسی کے ساتھ کہتی ہیں:

> ''وہ آزادئ نسواں' عورتوں کے مساوی حقوق کے زبردست علمبردار تھے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ناقدین ان کو محض ایک ایسے ادیب کے طور پر پیش کرتے ہیں جن کے یہاں عورت رومان کا سمبل تھی۔''(13)

قرأۃ العین حیدر کے والد' والدہ ' پھوپھی اور خاندان کے دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے آزادئ نسواں اور تعلیم نسواں کے لیے بہت تعمیری اور مثبت کردار ادا کیا۔ نسائی حسیت یا (Feminism) کا موجودہ تصور اس وقت سے قرأۃ العین حیدر کے خاندان میں موجود تھا جب ہندوستانی عورت چار

دیواری میں قید تھی۔ Feminism کا مطلب قرأۃ العین اور ان کے خاندان کے نزدیک عورت اور مرد کی برابری نہیں بلکہ عورت کو اس کے حقوق اور جائز مقام دے کر اسے معاشرے کا ایک کارآمد فرد بنانا تھا۔

قرأۃ العین حیدر کی شخصیت پر ان کی زندگی کے آخری دنوں میں جو رنگ سب سے زیادہ غالب رہا وہ تصوف کا مرہون منت تھا لیکن پہلے ہی سے مصنفہ کی تصنیفات میں موجود تقدیر اور وقت کے جبر کا تصور اپنے پس منظر میں تصوف اور صوفی ازم کی نشاندہی کراتا ہے۔ اپنے صوفیانہ مزاج کی بدولت ہی مصنفہ نسلی، مذہبی اور قومی تعصب سے بالاتر ہو کر ایک انسان دوست ادیبہ کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئی تھیں۔ ''کار جہاں دراز ہے'' میں وہ کہتی ہیں:

> ''جس طرح میری دوستی ایک طرف علمائے دین، مولاناؤں، قادیانی مبلغین، وہابی انتہا پسندوں اور شیعہ علماء سے تھی تو دوسری طرف رقاص وموسیقار، اداکار اور دوسرے کارفرما فارمنگ آرٹسٹ بھی میرے حلقہ احباب میں شامل تھے۔''(14)

''کار جہاں دراز ہے'' کے اس تیسری جلد کے آخر آخر میں مصنفہ نے اپنے دور کے لکھنے والے نامور ادیبوں کا سرسری تذکرہ کیا ہے۔ ان ادیبوں میں عزیز احمد، صادق الخیری، عبداللہ حسین، خوشونت سنگھ، افتخار عارف وغیرہ اور ان کے علاوہ چند انگریزی مصنفین کا تذکرہ بھی ہے۔ مصنفہ نے طوالت سے بچنے کے لیے ان علمی وادبی شخصیات کے مرقعے سرسری طور پر پیش کرکے ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

فنون لطیفہ وکلچر، ادب وتہذیب، ہندو مسلم معاشرے کی تضادات ہندوستان کی اجتماعی نفسیات پر بات کرنے کے بعد قرأۃ العین حیدر تقسیم ہند کے اثرات کے بارے میں کہتی ہیں:

> ''۱۹۴۷ء میں برصغیر کے تقسیم کے بعد انسان کی سائیکی یا اندرونی شخصیت جس طرح بٹی یا کم ازکم اس میں تھوڑے سے اجنبی بیرونی عناصر شامل ہوئے تو وہ مختلف شخصیتوں کا مجموعہ بن گیا۔ ایک نسل جس نے ہجرت کی ہے اس کو یہ تجربہ یاد رہتا ہے اس کی اولاد کے لیے وہ بے معنی ہوجاتا ہے۔ ماضی ان کی اولاد کے لیے محض ایک میوزیم ہے۔ اگر ان کو دلچسپی ہوتی ہے تو دو گھڑی اس عجائب خانے کی سیر کر آتے ہیں۔ اقوام مغرب نے اتنی ترقی کے باوجود اپنی ماضی سے اپنا گہرا رشتہ قائم رکھا ہے جن کی وجہ سے ان کی تہذیب میں ٹھہراؤ آگیا ہے۔ ہم نے اپنی ماضی کو یا تو محکمہ سیر وسیاحت کے حوالے کر دیا ہے یا فرقہ پرست سیاستدانوں کی تحویل میں دے دیا ہے۔ جو صحت مند اور متوازن رشتہ ماضی سے ہونا چاہئے وہ ہمارے یہاں تقریباً مفقود ہے۔''(15)

اگر قرأۃ العین حیدر کو ماضی پرست اور اس سوانحی ناول کو فیملی ساگا کہا جائے جس طرح بہت سے نقادوں نے اس کو قرار دیا ہے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ یہ سوانحی ناول ان کے اعلیٰ حسب ونسب، پڑھے لکھے خاندان اور شاندار ماضی کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے قرأۃ العین حیدر نے ''کار جہاں دراز ہے'' کے طویل سفر کے داستان کو گہرے سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور تاریخی شعور کے ساتھ بیان کیا ہے اور مصنفہ سمجھتی تھیں کہ ماضی کے بازیافت کا یہ عمل ایک مٹتے ہوئے متزلزل سماج کو پھر سے مستحکم اور توانا بنیاد فراہم کرسکتی ہے۔

اس کے علاوہ مصنفہ کے وقت اور جبر وقدر کا تصور بھی آخر تک اس پورے ناول کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف:

> ''بظاہر یوں لگتا ہے کہ مصنفہ مسودے کی تکمیل پر اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ قرطاس حیات ایک بے رحم چوہے کے رحم وکرم پر ہے۔ اس چوہے کا نام وقت ہے اور یہ زندگی کو بوسیدہ کاغذ کی مانند کترتا رہتا ہے۔ ہم سب اس کی خوراک ہیں اور وہ ہمیں ہضم کرتا رہتا ہے۔ ہم بے بسی کی کیفیت میں ختم ہو جاتے ہیں۔''(16)

قرۃ العین حیدر کی تخلیقی سفر کا چوتھا اور آخری دور ٹھہراؤ کا ہے۔ زندگی کی تلخیوں وگہرے

تجربات ومشاہدات نے ان کی پختگی عمر کے ساتھ مل کر رومانوی تخیل رکھنے والی ادیبہ کی زندگی کے معافی ومفاہیم ہی بدل کر رکھ دیئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے زاویۂ نظر اور فکر وخیال میں انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان کے فکر وفن کا کینوس ان کی شعوری پختگی، زندگی کے فلسفے پر غور وفکر میں گہرائی اور ان کی بالغ نظری کے باعث پھیل کر عالمگیر نوعیت اختیار کر گئی۔

مصنفہ کے فنی سفر کے چوتھے دور کے تصنیفات میں جدید دور کے انسانوں کے پیچیدہ نفسیاتی مسائل کا ذکر ہے۔ جس کی تفہیم ژونگ کے تجزیاتی نفسیات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس دور کے بہت سے تحریروں میں مذہبی اور اساطیری فضا پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چوتھے دور میں مصنفہ کی تخلیقات عالمگیر پیمانے پر اقدار میں افراتفری اور تہذیب کی پائمالی کے نتیجے میں پیدا ہونیوالی شکست وریخت کے واقعات پر مبنی ہیں۔ تہذیب واقدار کے توڑ پھوڑ سے امن وسکون کی فضا جس طریقے سے منتشر ہوئی اور اس کے نتیجے میں انسانی رشتوں پر انفرادی اور اجتماعی طور پر جو اثرات مرتب ہوئے اس کی فلسفیانہ توجیح اور تشریح مصنفہ کے چوتھے دور کی تصانیف میں ملتی ہیں۔ درحقیقت قرۃ العین حیدر نے اپنے فنی سفر کے آخری دور میں انسانی نفسیات کو تاریخ وتہذیب کے حوالے سے سمجھنے اورسمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مصنفہ نے ماضی کے جن دھند لکوں میں حال کے مسائل کی جڑوں کو تلاش کرتی ہے درحقیقت اُس کو ژونگ نے انسانی ذہن کا اجتماعی لاشعور قرار دیتے ہوئے ایک وسیع اور پرسرار دنیا کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مصنفہ اجتماعی لاشعور میں موجود انسانی سرشت کا کھوج لگا کر اُسے اپنے کرداروں کے ذریعے پیش کرتی ہے۔ اس دور میں مصنفہ فن کے نئے آفاق تک پہنچی ہیں اور ان کی فکری پختگی اور ارتقاء کے نئے اور انفرادی زاوئیے سامنے آئے ہیں۔

# حوالہ جات


۱۔ قرۃ العین حیدر، **کارجہاں دراز ہے**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۷۷ء،ص انتساب،
۲۔ نثار عزیز بٹ ، الفاظ کا دریا، کار جہاں دراز ہے، مشمولہ :**قرۃ العین حیدر کی یاد میں**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۰۱ء،ص:۱۰۱
۳۔ قرۃ العین حیدر، **کار جہاں دراز ہے**، جلد دوم ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ، ۱۹۷۹ء،ص: ۳۷۷
۴۔ ایضاً، ص: ۵۰۹
۵۔ ایضاً، ص: ۶۲۵
۶۔ ایضاً، ص: ۳۷۹
۷۔ ایضاً، ص : ۵۲۹
۸۔ ایضاً، ص: ۵۹۲
۹۔ ایضاً، ص: ۹۲۔۶۹۱
۱۰۔ سعدیہ قریشی، قرۃ العین حیدر ایک خوبصورت جواب، مشمولہ: **قرۃ العین حیدر شخصیت اور فن**، کراچی : دارالشعور، ۲۰۰ء،ص: ۱۲۹
۱۱۔ قرۃ العین حیدر ، **کار جہاں دراز ہے**، جلد سوم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص: ۸۳۱
۱۲۔ ایضاً، ص: ۸۸۱
۱۳۔ ایضاً، ص: ۸۳۳
۱۴۔ ایضاً، ص: ۸۶۸
۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۰
۱۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف ، **اردو ناول اور آزادی کے تصورات**، لاہور:پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی ،۱۹۹۷ء،ص:۶۰۳